حقیقت و اقسامِ شرک

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولِہِ الکریم ...... امَّا بَعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴿۱۳﴾﴾ (لقمٰن) ...... صدق اللّٰہ العظیم

''اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے' اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے' کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو' یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے''۔

''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر مفصل گفتگو کا یہ سلسلہ اغلباً چھ نشستوں پر مشتمل ہوگا۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کے ذریعے سے اُمت مسلمہ میں حقیقتِ شرک کے بارے میں صحیح فہم و شعور پیدا فرمائے اور اس ضمن میں ہم سے کوئی مفید خدمت قبول فرما لے!

چند تمہیدی باتیں

سب سے پہلے مجھے اس موضوع سے متعلق کچھ تمہیدی باتیں گوش گزار کرنی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے دین کی حقیقت کو اگر ایک لفظ میں تعبیر کرنے کی کوشش کی جائے' یا بالفاظِ دیگر اس کی تعلیم کے لبِّ لباب اور خلاصے کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ ''توحید'' ہے۔ ہمارا دین دراصل ''دینِ توحید'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے توحید کو ہی وہ اصل امانت قرار دیا ہے جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے: ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا!

اور جوابِ شکوہ میں بھی نبی اکرم ﷺ کے مشن کو علامہ اقبال نے اسی ایک لفظ ''توحید'' سے تعبیر کیا ہے : ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

تو ہمارا دین اصل میں دینِ توحید ہے۔ ''توحید'' کی ضد ہے ''شرک''۔ شرک چاہے ثنویت کی شکل میں ہو' تثلیث کی شکل میں ہو یا کثرتِ آلِـھَـہ کی صورت میں ہو' ان سب صورتوں کو ہم ایک ہی لفظ ''شرک'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب یہ بات طے ہے کہ ہمارا دین' دینِ توحید ہے تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دین میں سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ' جو ناقابلِ درگزر ہے' وہ شرک ہے۔ چنانچہ یہی بات سورۃ النساء میں دو مرتبہ بعینہٖ انہی الفاظ میں وارد ہوئی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰـہَ لَا یَغْفِـرُ اَنْ یُّشْـرَکَ بِـہٖ وَیَغْفِـرُ مَـا دُوْنَ ذٰلِکَ لِـمَنْ یَّشَـآءُ ج﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) ''یقیناً اللہ تعالیٰ یہ بات تو ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس سے کمتر گناہ جس کو چاہے گا بخش دے گا''۔ اگرچہ اس آیت کو دوسرے گناہوں کے ضمن میں کوئی کھلا لائسنس نہیں سمجھ لینا چاہیے' اللہ تعالیٰ کا کوئی پختہ وعدہ اور یقین دہانی نہیں ہے کہ وہ دوسرے گناہ لازماً بخش دے گا' بلکہ الفاظ ہیں: ''لِـمَنْ یَّشَـآءُ'' کہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ لہٰذا یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہمیں کھلی چھٹی مل گئی ہے کہ ہم شرک کے سوا جس گناہ میں چاہیں ملوث ہو جائیں' کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ تاہم اُمید ضرور دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کی معافی کی تو کوئی صورت نہیں ہے' البتہ اُس سے کمتر گناہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔

بہرحال معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں سب سے بڑا گناہ' سب سے بڑا جرم' جو ناقابلِ درگزر ہے' وہ شرک ہے۔ اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ از روئے قرآن سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ بلکہ اچھی طرح جان لیجیے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ''ظلم'' آتا ہے' اگر سیاق و سباق سے اس کے کوئی اور معنی معین نہ ہو رہے ہوں تو وہاں اس کا معنی ''شرک'' ہے اور اسی اعتبار سے ''ظالمین'' کا معنی ''مشرکین'' ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ گفتگو میں یہ حقیقت بیان ہوئی: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ ''واقعہ یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

عربی زبان میں ظلم کا مطلب ہے: وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ ''کسی چیز کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھنا''۔ عدل اور انصاف یہ ہے کہ ہر چیز کو اُس کے اصل مقام پر رکھا جائے' جبکہ ظلم یہ ہے کہ کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے۔ اب شرک میں بھی اِن دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے کہ یا تو مخلوقات میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہ ''وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ'' کی ایک صورت ہے۔ اور یا پھر اللہ کو (نعوذ باللہ) گرا کر مخلوقات کی صف میں لایا جاتا ہے اور یہ ''وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ'' کی دوسری صورت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ''ظلم'' کا سب سے بڑا مصداق ''شرک'' ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سورۃ الانعام کی آیت ۸۳ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے ''ظلم'' کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے سورۂ لقمان کی زیر بحث آیت ۱۳ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ جب سورۃ الانعام کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اے مشرکو!) اگر تم جانتے ہو تو ذرا بتاؤ کہ دونوں گروہوں (موحّدین اور مشرکین) میں سے کون امن وسکون اور اطمینان کا زیادہ حق دار ہے؟'' ایک گروہ مشرکین کا تھا اور ایک موحّدین کا۔ ایک طرف صرف ایک اللہ کے ماننے والے تھے اور دوسری طرف وہ تھے جو اللہ کے ساتھ دوسرے بہت سے معبودوں کو ماننے والے تھے۔ لہٰذا پوچھا گیا کہ ان میں سے حقیقی ذہنی سکون اور حقیقی قلبی اطمینان کا زیادہ مستحق کون ہے؟ یہ سوال کرنے کے بعد قرآن مجید اپنے ایک عام اسلوب کے مطابق خود جواب دیتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾

''جو لوگ ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو کسی ظلم سے ملوث نہ کریں' حقیقت میں امن وسکون (اور اطمینان) کے مستحق وہی ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

یعنی جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہونے دیں۔ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تشویش پیدا ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے مشروط ہیں کہ ایمان کے ساتھ ظلم کی قطعاً آمیزش نہ ہو' تو ایسا کون شخص ہوگا جو کسی نہ کسی درجے میں دوسروں پر یا اپنے اوپر ظلم نہ کرتا ہو۔ غور کیجیے کہ اگر آپ نے ایک لمحہ بھی ضائع کیا تو یہ بھی اپنے اوپر ظلم ہے۔ تو ظلم سے بالکل بری اور بالکل پاک ہو جانا کسی فردِ بشر کے لیے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنی اس تشویش کو ظاہر کیا کہ حضورؐ! ایسا شخص کون ہوگا جو ظلم سے بالکل بری ہو۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے تسلی دی کہ اس آیۂ مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ اور آپؐ نے سورۂ لقمان کی اسی آیت کا حوالہ دیا کہ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾﴾

تو مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ ایمان لائیں اِس شان کے ساتھ کہ شرک کی کوئی آمیزش نہ رہے تو وہ ہیں کہ جو امن کے مستحق ہوں گے اور وہی ہیں کہ جو ہدایت پر ہیں اور اپنی آخری منزلِ مراد تک پہنچ سکیں گے۔

اب میں اسی کا عکس (converse) آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ جب ہمارا دین' دینِ توحید ہے تو اس تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہوا کہ سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ آپؑ کی جلالتِ قدر اور مقام ومرتبہ کا یہ عالم ہے کہ آپؑ کی تین تین نسبتیں ہیں اور تینوں ہی نہایت بلند ہیں۔ ایک نسبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ آپ ''خلیل اللہ'' ہیں۔ اس خُلّتِ الٰہی کا جو مقام ومرتبہ ہے اس کی عظمت کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا خلیل صرف اللہ ہے۔ یعنی کوئی فردِ نوعِ بشر حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خُلّتِ محمدیؐ کے مقام پر فائز نہیں ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا))(۱) ''اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا''۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب الخوخۃ والممر فی المسجد۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابۃ' باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ خُلّت کا رشتہ صرف اپنے ربّ کے ساتھ تھا۔ اور یہی وہ رشتہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے ربّ کے ساتھ جس کی قرآن اہتمام کے ساتھ وضاحت کر رہا ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ (النساء) ''اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسبت رسولوں اور نبیوں کے ساتھ ہے' اور وہ یہ کہ آپؑ ''ابوالانبیاء'' ہیں۔ سینکڑوں جلیل القدر پیغمبر آپؑ کی نسل میں گزرے ہیں۔ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُل میں سے تین یعنی حضرات موسیٰ' عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہم الصلاۃ والسلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ بن باپ کے پیدا ہوئے لیکن ان کی والدہ مریم علیہا السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی سے ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں نبی آپؑ کی نسل میں سے ہیں۔ تو آپؑ ابوالانبیاء ہیں۔

آپؑ کی تیسری نسبت پوری نوعِ انسانی کے ساتھ یہ ہے کہ آپؑ ''امامُ الناس'' ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ (البقرۃ:۱۲۴) ''اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو اُن کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں''۔ اس جلالتِ قدر کے ساتھ قرآن مجید میں جہاں کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے تو اُن کو جو آخری سند دی جاتی ہے وہ یہ ہے: ﴿وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ (البقرۃ) ''اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

معلوم ہوا کہ شرک سے بالکل آزاد ہو جانا انسانیت کے لیے معراج ہے اور یہ بلند ترین مقام ہے جس تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما دے کہ میرا یہ بندہ مشرک نہیں ہے' میرا یہ بندہ شرک سے پاک ہے تو گویا کہ اُسے آخری سند مل گئی' آخری سرٹیفکیٹ اور آخری testimonial مل گیا۔

اب تک کی گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک طرف تو ہمارے دین میں سب سے بڑا جرم' سب سے بڑا گناہ' سب سے بڑا ظلم' جو نا قابل عفو ہے' وہ شرک ہے۔ اور دوسری طرف سب سے بڑی سند' سب سے بڑا سرٹیفکیٹ اور سب سے اونچا مقام یہ ہے کہ انسان شرک سے بالکل پاک ہو۔ اب ان دونوں چیزوں کو بیک وقت ذہن میں رکھتے ہوئے میں ایک نتیجہ نکال رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ واقعتاً ہر گمراہی' ذلالت اور کج روی' خواہ وہ نظریات کی ہو' عقائد کی ہو یا اعمال کی' اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں شرک سے ملتے ہیں۔ اور ہر خیر و خوبی' بھلائی' نیکی' صحتِ فکر' صحتِ عقیدہ' صحتِ عمل وغیرہ کے جتنے بھی شعبے ہیں وہ سب توحید کی فروغ (corollaries) اور لازمی نتائج ہیں۔ تو اس طرح سے یہ ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ شرک کی اقسام اور اس کی فروع کو اگر آپ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ وہ شجرۂ خبیثہ ہے کہ ہر بدی' ہر گناہ' ہر جرم' اور ہر نظریہ یا خیال کی گمراہی لازماً اسی کی کسی نہ کسی شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کے برعکس ہر خیر' ہر نیکی اور ہر بھلائی' خواہ وہ خیال اور نظریے کی ہو یا عمل کی ہو' اس کا تعلق لازماً توحید ہی کے شجرۂ طیبہ سے ہے۔ اس ''شجرِ توحید'' کے لیے قرآن مجید میں تمثیل آئی ہے اور اس کے بارے میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾﴾ (ابراہیم) ''اس کی جڑ مضبوط و مستحکم ہے اور اس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔''

شرک کی ہمہ گیری کا ایک تصور قرآن مجید میں سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾

''اور انسانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں' مگر کسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ''۔

یہ بات جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا انکار تو تاریخ انسانی میں آپ کو شاذ ہی کہیں ملے گا' کہیں کہیں اس قسم کے لوگ مل جاتے ہیں کہ جن کی مت بالکل ماری گئی ہو۔ آج کے دَور میں بظاہر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ خدا کا انکار بہت عروج پر ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ خدا کو وہ بھی مانتے ہیں جنہیں منکرین خدا سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت انہوں نے مادے کو خدا کے مقام پر لے جا کر بٹھا دیا ہے' خدا کا انکار نہیں کیا ہے۔ ایک حقیقت کبریٰ کو ماننے پر سب مجبور ہیں' جبکہ سارا اختلاف خدا تعالیٰ کی صفات میں ہے۔ مثلاً یہ اختلاف کہ وہ الحیّ ہے یا مُردہ ہے۔ اگر مُردہ ہے تو اسے مادہ کہہ لیجیے اور الحیّ القیوم ہے' صاحبِ ارادہ ہے تو وہ اللہ ہے۔ چنانچہ فرق تو سارا صفات کا ہے۔ بہرحال یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ خدا کو خدا کے نام سے ماننے والے تاریخ انسانی میں ہمیشہ عظیم اکثریت میں رہے ہیں اور خدا کا صاف انکار کرنے والے شاذ رہے ہیں۔ خدا کو کچھ اور ناموں کے تحت ماننے والوں کی تعداد بھی شاید کچھ مل جائے' لیکن جو سب سے بڑی گمراہی ہمیشہ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بڑے خدا کو ماننے کے ساتھ ساتھ کچھ اور چھوٹے خداؤں کو بھی مانا اور تسلیم کیا گیا' ایمان کے ساتھ کسی نوع کے شرک کی آمیزش کر لی گئی' اور یہ ہے اصل گمراہی جو ہمیں پوری تاریخ انسانی میں پھیلی ہوئی اور چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں اپنے حقیقی قلبی احساسات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے' مجھے یقین ہے کہ وہ جان بوجھ کر کبھی شرک نہیں کرتا' بلکہ ایسا ناممکن ہے۔ اس کے تصورات میں اگر شرک آتا ہے تو غیر محسوس طریقے سے در آتا ہے' کسی مغالطے کے باعث آتا ہے' وہ اس کو شرک سمجھ کر شرک نہیں کرتا' اس میں جہالت اور ناسمجھی کارفرما ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ ہر دَور میں شرک کا یہ مرض ایک نئی صورت اختیار کر کے سامنے آتا ہے جس کو پہچاننے میں کوتاہی رہ جاتی ہے' اور جب تک اس کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اس سے پوری طرح بچنا ممکن نہیں۔ بقول شاعر: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

یعنی خواہ تم کسی بھی رنگ کا لبادہ اوڑھ کر آ جاؤ میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بزعمِ خویش بڑا موحّد ہو اور پچھلے ادوار میں شرک کی جتنی بھی صورتیں رائج رہی ہوں اور علماء نے جن جن کی نشاندہی کر دی ہو اُن سب سے وہ اپنے آپ کو بری اور پاک کر چکا ہو' بایں ہمہ اپنے دَور کے شرک کو نہ پہچان پایا ہو اور اس میں وہ ملوث ہو۔

اس پر گفتگو تو بعد میں ہوگی لیکن میں مثال کے طور پر علامہ اقبال کی نظم ''وطنیت'' پیش کر رہا ہوں: ؎

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے ' جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اب غور کیجیے کتنا پیارا مصرعہ ہے: ''تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور''۔ آج سے ساڑھے چار ہزار برس کا آزر پتھر کی مورتیاں تراشتا تھا اور آج کا آزر کچھ خیالی تصورات کے بُت بنائے ہوئے ہے۔ زمانے زمانے کی بات ہے۔ اُس وقت انسان شاید زمین سے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فٹ چھلانگ لگا سکتا ہوگا' لیکن آج چاند تک پہنچا ہوا ہے۔ لہٰذا شرک نے بھی بڑی اونچی اڑان اڑی ہے اور بڑی مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ اب ضرورت اُس عقابی نگاہ کی ہے جو اپنے دَور کے شرک کو پہچان لے۔ اگر یہ بصیرت نہیں ہوگی تو ہوسکتا ہے' جیسا کہ میں نے عرض کیا' ایک شخص اپنے خیال میں پورے خلوص کے ساتھ شرک کی ہر قسم سے اعلانِ براءت کر چکا ہو اور عملاً اپنے آپ کو اس سے بری کر چکا ہو' لیکن اس کے باوجود وہ کسی نوع کے شرک میں مبتلا اور ملوث ہو۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک بڑا جامع اور ہمہ گیر تصور ہمارے سامنے ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ ہم اپنے ذہن اور فہم میں تمام اقسامِ شرک کا احاطہ کر لیں' بلکہ ہمارے اندر وہ اجتہادی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ شرک جو بھی نیا لبادہ اوڑھے اور جو بھی نئی شکل اختیار کرے' اسے بھی ہم پہچان سکیں۔ اس کے لیے ضرورت ہے ایک اندرونی بصیرت کی۔ اس کے لیے وہ اصول تلاش کر لیے جائیں کہ جنہیں اگر مدّ نظر رکھا جائے تو شرک چاہے جس صورت اور شکل میں بھی آ رہا ہو' جو بھی نیا بھیس بدلے اور جو بھی نیا لبادہ اوڑھے اس میں انسان اس کو پہچان لے۔ لہٰذا اِس وقت جو بحث ہوگی وہ زیادہ تر اقسامِ شرک کے ذیل میں ہوگی۔

اقسامِ شرک کے سلسلے میں ہمارے ہاں علماء نے مختلف تقسیمیں کی ہیں۔ مثلاً ایک تقسیم یہ ہے کہ ایک شرکِ جلی ہے اور ایک شرکِ خفی ہے۔ یعنی ایک تو نمایاں اور کھلم کھلا شرک ہے۔ مثلاً ایک شخص بُت کو سجدہ کر رہا ہے' جبکہ ایک خفی شرک ہے کہ جس کا تجزیہ کر کے ہی پتا چلتا ہے کہ شرک ہو گیا' وہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال یہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ))(۱) ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا۔''

(۱) مسند احمد' کتاب الشامیین۔

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے' لیکن جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ اپنی نماز لمبی کر دیتا ہے' سجدہ طویل کر دیتا ہے' تو حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ شرک ہے۔ بظاہر تو وہ وہی نماز پڑھ رہا ہے' اس میں وہی قیام ہے' وہی رکوع ہے' وہی سجود ہے' اُس نے وہی سورۃ الفاتحہ پڑھی ہے' وہی ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' اور وہی ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' کہا ہے۔ اپنی طرف سے اُس نے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے' سوائے اس کے کہ ذرا نماز کا دورانیہ بڑھ گیا ہے' اگر پہلے دس سیکنڈ کا سجدہ ہو رہا تھا تو اب پندرہ سیکنڈ کا ہو گیا' لیکن تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک سجدے کے دو مسجود ہو گئے۔ دس سیکنڈ کا سجدہ تو اللہ کے لیے تھا' لیکن بقیہ پانچ سیکنڈ کا سجدہ اُس شخص کے لیے ہے جسے وہ دکھا رہا ہے' اور یہی شرک ہے۔ تو ایک ہے شرکِ جلی اور ایک ہے شرکِ خفی۔

ایک اور تقسیم اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ ایک ہے عقیدے کا شرک اور ایک ہے عمل کا شرک۔ ایک شخص مختلف معبودوں کو مانتا ہے نام لے کر' جبکہ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی معبود کو نام لے کر تو نہیں مان رہا' لیکن اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عمل میں شرک ہے۔ مثلاً نفس پرستی ایک قسم کا شرک ہے۔ ایک طرف حکم ہے اللہ کا اور ایک طرف خواہش ہے اپنے نفس کی۔ ہم کتنے ہی مواقع پر اللہ کے حکم کو پسِ پشت ڈال کر اپنے نفس کی خواہش کو مقدم کرتے ہیں! اُس وقت ہمارا اصل معبود کون ہے؟ ہمارا نفس ہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾﴾ (الفرقان)

''(اے نبیؐ!) کیا آپ نے غور کیا اُس شخص کے حال پر جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا؟ تو کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لیں گے؟''

یہاں نوٹ کیجیے کہ لفظ ''اِلٰــہ'' استعمال ہوا ہے' تاکہ کوئی مغالطہ نہ رہے۔ اور یہی ہمارے کلمۂ طیبہ کا لفظ ہے: لَآ اِلٰــہَ اِلاَّ اللّٰہُ۔ تو معلوم ہوا کہ عمل میں شرک ہو رہا ہے' اگرچہ عقیدے میں شرک نہیں ہے۔ اُس شخص نے کبھی بھی اپنے نفس کو معبود مانا نہیں' بلکہ آپ اس سے یہ بات کریں گے تو وہ آپ کا سر پھوڑ دے گا' لیکن درحقیقت اس کے عمل میں شرک موجود ہے۔ اسی کے ذیل میں نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ))(۱) ''ہلاک ہو جائے درہم و دینار کا بندہ''۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللہ۔

یہاں لفظ ''عبد'' لایا گیا ہے۔ اسی سے ''عبادت'' بنا ہے جس کے لیے فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ......﴾ (البقرۃ:۲۱) ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے ربّ کی جس نے پیدا کیا تمہیں......'' آپ کو معلوم ہے کہ روپے اور پیسے کی پوجا کس نوعیت سے ہوتی ہے۔ روپے کو کبھی کسی نے معبود نہیں مانا' لیکن اگر کوئی بالفعل اس کی بندگی کر رہا ہے تو اس کا نام خواہ عبدالرحمٰن ہو یا عبداللہ ہو' لیکن اصل میں وہ ''عبدالدینار'' اور ''عبدالدرہم'' ہے۔ اب آپ غور کیجیے کہ ہم میں سے کتنے ہوں گے جو اِن دونوں چیزوں یعنی نفس پرستی اور دولت پرستی کے اندر ملوث نہ ہوں! اگر کوئی ستر فیصد اللہ کے احکام مان رہا ہے تو تیس فیصد میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اور آپ اس کوتاہی کو صرف ایک منفی قدر نہ سمجھئے کہ بس اللہ کی بندگی میں کمی اور کوتاہی ہے۔ نہیں! بلکہ وہاں مثبت طور پر آپ کسی اور کی بندگی کر رہے ہیں۔ یہ نفس کی بندگی ہو رہی ہے' پیسے کی بندگی ہو رہی ہے' شہرت کی پوجا ہو رہی ہے' اقتدار کی پوجا ہو رہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہماری زندگیوں میں یہ دونوں عبادتیں' دونوں پرستشیں' دونوں پوجائیں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے لوگوں پر یہ آیۂ مبارکہ صادق آتی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلاَّ خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾ (البقرۃ)

''تو کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟ تو تم میں سے جو کوئی یہ جرم کریں اُن کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار کر دیا جائے اور آخرت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے؟ اور اللہ اُن حرکات سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو''

اب یہاں ''اَشَدِّ الْعَذَابِ'' کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ طرزِ عمل شرک ہے' اور شرک وہ جرم ہے کہ جس کے بارے میں اللہ نے فرما دیا کہ اس کی بخشش کا کوئی سوال نہیں۔

اقسامِ شرک کے حوالے سے دو تقسیمیں تو وہ ہیں جو میں نے آپ کے سامنے رکھیں' یعنی شرکِ جلی اور شرکِ خفی' یا شرکِ عقیدہ اور شرکِ عملی۔ امام ابن تیمیہؒ کا ان مباحث میں بڑا اونچا مقام ہے۔ میں اُن کی اصطلاحات بھی آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ ایک ہے شرک فی المعرفۃ' یعنی اللہ کی پہچان میں شرک' اور ایک ہے شرک فی الطلب۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾﴾ (الحج) ''مدد چاہنے والا بھی کمزور اور بودا ہے اور جس سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور اور بودا ہے''۔ ہر انسان کی زندگی کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مقصود اور مطلوب کو معین کر کے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ مقصود اور مطلوب کے درجے میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ کلمۂ طیبہ ''لَآ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ'' کا اس اعتبار سے مفہوم ہے: لَا مَقْصُوْدَ اِلاَّ اللّٰہُ' لَا مَطْلُوْبَ اِلاَّ اللّٰہُ' لَا مَحْبُوْبَ اِلاَّ اللّٰہُ۔ اگر مقصود ومطلوب اور محبوب ہونے کے اعتبار سے کوئی اور اللہ کے برابر ہو گیا' تو یہی تو شرک ہے۔ بقولِ اقبال: ؎

بُتوں	سے	تجھ	کو	اُمیدیں	خدا	سے	نومیدی
مجھے	بتا	تو	سہی	اور	کافری	کیا	ہے؟

امام ابن تیمیہؒ نے شرک کی بحث کو اِن دو اصطلاحات میں جمع کیا ہے۔ ایک ہے ''شرک فی المعرفۃ'' یعنی اللہ کی پہچان میں کوئی کمی ہو' اس کی ذات وصفات کے ضمن میں کسی کو لا کر اس کا ساجھی اور ہم پلہ بنا دیا گیا ہو۔ یہ معرفت خداوندی میں شرک ہے۔ اور جو شرک فی العمل ہے اس کو انہوں نے نام دیا ''شرک فی الطلب'' کہ اگر مقصود ومطلوب اور محبوبِ حقیقی ہونے کے اعتبار سے کوئی شے' کوئی شخص' کوئی ہستی' کوئی ادارہ اللہ کے ہم پلہ ہو جائے' دل کے سنگھاسن پر اگر وہ اللہ کے برابر آ کر بیٹھ جائے تو جان لیجیے کہ یہ شرک فی الطلب ہے۔

اقسامِ شرک کے حوالے سے ایک تیسری تقسیم بھی ہے جو میرے نزدیک زیادہ عام فہم (comprehensive) ہے اور میں ذیل میں اسی کے اعتبار سے بحث کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس تقسیم کے حوالے سے اقسامِ شرک کا ایک دفعہ احاطہ کر لیا جائے تو ان شاء اللہ وہ باطنی بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ اگر کبھی شرک کی کوئی اور صورت بھی پیدا ہوئی تو اِس بصیرت کی روشنی میں اس کے پہچاننے میں دقت نہیں ہو گی۔ اس تقسیم کی رو سے شرک کی تین قسمیں ہیں: ایک ہے ''شرک فی الذات'' یعنی اللہ کی ہستی' اللہ کی ذات میں کسی اور کو اس کا ساجھی اور ہم پلہ بنا لینا۔ اس کے لیے عربی کا اصل لفظ ''کُـفُـو'' ہے۔ (ہم اردو بول چال میں عام طور پر ''ہم کفو'' کہہ دیتے ہیں' حالانکہ لفظ ''کفو'' میں ''ہم کفو'' کا پورا مفہوم موجود ہے جو فارسی ترکیب ہے۔) سورۃ الاخلاص میں دوٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا: ﴿وَلَـمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾﴾ ''اور کوئی اس کا کفو نہیں ہے''! ''کفو'' کا مطلب ہے برابر' ہم سر۔ شیخ الہندؒ نے

اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔'' پہلے زمانے میں شادی بیاہ کے معاملے میں یہ لفظ بہت استعمال ہوتا تھا کہ شادی کفو میں ہونی چاہیے' یعنی برابری کا معاملہ ہونا چاہیے اور اس معاملے میں مختلف اعتبارات سے دیکھا جانا چاہیے' تاکہ اَنمل' بے جوڑ والی بات نہ ہو جائے اور عدم موافقت نہ ہو' بلکہ ماحول کچھ ایک جیسا ہی ہو جس میں لڑکا اور لڑکی پلے بڑھے ہوں' تقریباً ایک ہی سطح کی زندگی انہوں نے بسر کی ہو' عادات میں کہیں بہت زیادہ فرق نہ ہو' مبادا نباہ میں رکاوٹ بن جائے۔ اور یہ معاملہ درحقیقت حکمت میں سے ہے۔ تو اس لفظ ''کفو'' کو ذہن میں لائیے کہ کسی کو اللہ کا کفو بنا دینا ''شرک فی الذّات'' ہے اور یہ بدترین' عریاں ترین اور گھناؤنا ترین شرک ہے' جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت بھڑکتا ہے۔

دوسری قسم کا شرک ہے ''شرک فی الصفات'' کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو اس کے برابر کر دینا' مدّ مقابل بنا دینا' ساجھی قرار دے دینا اور مثل بنا دینا۔ آپ علماء کرام کے خطبات میں یہ الفاظ سنتے ہوں گے: لَا مِثْلَ لَـهٗ وَلَا مِثَالَ لَـهٗ وَلَا مَثِيْلَ لَـهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ۔ یہ تمام الفاظ اسی اعتبار سے ہیں کہ شرک کے ہر شائبے کی نفی ہو جائے' ہر نوعیت کا انکار ہو جائے' کہ نہ کوئی اس کا کفو ہے' نہ کوئی اس کا مثل ہے' نہ کوئی اس کی مثال ہے' نہ کوئی اس کا ہم رتبہ ہے' نہ کوئی اس کا ہم پلہ ہے' نہ کوئی اس کا مدّ مقابل ہے' نہ کوئی اس کا ساجھی ہے۔ تو صفات میں کسی کو کسی بھی پہلو سے اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا شرک فی الصفات ہے۔ اور میں پیشگی طور پر یہ عرض کر دوں کہ یہ بڑا لطیف اور نازک سا معاملہ ہے اور اس میں ایک علمی مسئلہ involve ہے۔ اس میں چند ایسی لطیف باتیں ہیں کہ اگر وہ مدّ نظر نہ رہیں تو بڑی آسانی سے انسان کا قدم توحید کی شاہراہ سے ہٹ کر شرک کے کسی راستہ پر پڑ سکتا ہے۔ اس میں مغالطہ بے شعوری طور پر' بلکہ میں تو کہوں گا کہ خلوص کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نوع کے شرک کے بارے میں ع ''ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را'' والا معاملہ ہے۔ جیسے پل صراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے' ایسا ہی معاملہ شرک فی الصفات کا ہے۔ اس کے چند اہم اور موٹے موٹے مسائل پر جب گفتگو ہو گی تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی اور آپ کو اِن شاء اللہ الجبرا کے فارمولوں کی طرح وہ بات ہاتھ میں آ جائے گی کہ جس کے بعد ایسے بہت سے عقدے جو ہمارے ہاں عقائد کے ضمن میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے بڑی کھینچ تان' کشمکش اور رسہ کشی ہے' وہ تمام عقدے حل ہوتے چلے جائیں گے۔

تیسرا شرک ہے ''شرک فی الحقوق''، یعنی اللہ کے حقوق میں اس کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو حقوق کے معاملے میں اس کا ساجھی بنانا یا اس کے برابر کرنا۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق اگر گنے جائیں تو بہت ہو جاتے ہیں' لیکن ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق ایک لفظ ایسا بھی ہے کہ جس میں اللہ کے تمام حقوق جمع ہو جاتے ہیں اور وہ لفظ ''عبادت'' ہے' جو تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (البقرۃ) ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے ربّ کی جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں' تاکہ تم بچ سکو''۔ اور: ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط﴾ (ھود: ۵۰' ۶۱' ۸۴) ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔'' اور: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۳﴾﴾ (نوح) ''یہ کہ اللہ کی عبادت کرو' اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری پیروی کرو۔''

عبادت انسان کی غایتِ تخلیق ہے' اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذّٰریٰت) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (بندگی) کے لیے پیدا کیا۔'' لہٰذا اس لفظ ''عبادت'' میں اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق آ گئے۔ چنانچہ ''شرک فی الحقوق'' کو ''شرک فی العبادت'' کہا جا سکتا ہے۔ عبادت کے پانچ رُخ ہیں جن کے بارے میں بحث سے معلوم ہو جائے گا کہ شرک فی العبادت کی کون کون سی صورتیں ہیں۔ اس سے ہمیں اِن شاء اللہ موجودہ شرک کے علاوہ وہ قدیم شرک جو دنیا میں پائے گئے' ان سب کا فہم و شعور حاصل ہو جائے گا' بلکہ وہ بصیرت بھی پیدا ہو جائے گی کہ جس کے نتیجے میں آئندہ بھی اگر یہ مرض کسی اور صورت میں ظاہر ہوا تو اس کو سمجھنا اور پہچاننا آسان ہو جائے گا۔